ڈاکٹر ظفر احمد

استاد، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لنگو یجز، اسلام آباد ۔

پاکستان میں اُردو اِملا اور رسم الخط کی تحقیق میں جدید رویے

Dr. Zafar Ahmed
Assistant Professor, Department of Urdu, National University of Modern languages, Islamabad.

Modern Trends in Urdu Graphemes Research in Pakistan

After 1857 war of independence, Sir Syed Ahmed Khan who was one of the advocates of Hindu Muslim Unity and who was struggling for the welfare and education of Indians, got dissatisfied by Hindus hypocritical behavior soon and turned his efforts only towards Indian Muslims's education and welfare. This major change is considered an important turning point of Pakistan movement as well. It is said that Urdu Language was the main reason behind Sir Syed's decision. After that Urdu linguists started to prove significance of Urdu and its grapheme system. This practice continued in Pakistan and many notable research examples of Urdu grapheme appeared. In this article some modern works on the topic have been analyzed.

Key Words: *Urdu Grapheme, Script, Spelling, Fonts.*

قیام پاکستان کے پس منظر پر نظر ڈالیں تو ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد سرسید احمد خاں کا ہندوؤں کے طرز عمل سے متنفر ہوکر صرف مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی جانب متوجہ ہونے کو ایک اہم موڑ قرار دے سکتے ہیں۔ سرسید کے اس فیصلے میں اُردو زبان کا کردار نہایت اہم ہے۔ یہاں سے اُردو زبان کے بہی خواہ جن کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی نے بڑھ چڑھ کر اس زبان کی تحقیقات کا آغاز کیا۔ پاکستان میں یہ سلسلہ نہ صرف جاری رہا بلکہ خاطر خواہ تیزی نظر آتی ہے اور قابل ذکر لسانی مثالیں سامنے آئیں۔ انفرادی سطحوں کے علاوہ بعض اداروں نے بھی حسب مقدور اس کام کی سرپرستی اور رہنمائی کی۔ مقتدرہ قومی زبان نے اپنے قیام سے لے کر تا حال اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج نیز اس کی تفہیم کو بہتر اور عام فہم بنانے کے قابل قدر کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ اس مؤقر ادارے نے اردو لسانیات کے بھی کئی بڑے منصوبے شروع کیے اور پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ اردو رسم

الخط کے ضمن میں مذکورہ ادارے نے اختلافات و مشکلات کو دور کرنے اور معیار سازی کے لیے اہم اقدامات کیے۔ املا کمیٹی کی تشکیل اور پھر اس حوالے سے سیمینار کا انعقاد نیز سفارشات کو کتابی صورت میں شائع کرنے کے علاوہ لسانی موضوعات پر کام کرنے والے دیگر مصنفین و ماہرین کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ پروفیسر سید محمد سلیم کی مرتبہ ' اردو رسم الخط' بھی ایک ایسی ہی کتاب ہے جو انہیں مقاصد کے تحت مقتدرہ قومی زبان سے اشاعت پذیر ہوئی۔ یہ کتاب اردو رسم الخط کی تحقیق میں ایک اہم اضافہ ثابت ہوئی۔

مواد کی بنیاد پر کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے حصے میں عربی رسم اخط کی قدامت، وسعت، ارتقاء اور خصوصیات کا ذکر شامل ہے۔ دوسرے حصے میں اردو خط کا جائزہ مختلف عنوانات کے تحت لیا گیا ہے۔ پہلا عنوان 'اردو رسم الخط کی جامعیت ' ہے۔ عنوان سے ہی متشرح ہے کہ اس میں اردو زبان کی دوسری زبانوں کے الفاظ قبول کرنے کی خاصیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو نے ہمیشہ اس معاملے میں فیاضی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسی لیے اس میں ہندوستان کی دیگر زبانوں کے علاوہ دنیا کی مختلف زبانوں کا ذخیرہ بھی شامل ہے۔ رسم الخط کے حوالے سے بھی ان کا خیال ہے اردو نے' دوسری زبانوں کے رسم الخط کے مخصوص حروف اختیار کرنے میں بھی خست کا اظہار نہیں کیا۔ جس طرح اردو زبان مالامال ہے اسی طرح اردو زبان کا رسم الخط بھی جامع رسم الخط ہے۔ کوئی دوسرا رسم الخط جامعیت میں اردو خط کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ '[۱]

اردو زبان اور رسم الخط کے ضمن میں پروفیسر سلیم صاحب کا یہ بیان عمومی نوعیت کا ہے جس میں انہوں نے اردو زبان کے بارے میں پائی جانے والی ایک عام رائے سے اتفاق کیا ہے۔ جو عمومی رائے اس حوالے سے پائی جاتی ہے اس میں اردو کو مخلوط زبان بھی قرار دیا جاتا ہے، پروفیسر صاحب نے البتہ اس دعوے سے اجتناب برتا ہے ، جو کہ یقینا قابل تعریف ہے۔ اردو خط کا عربی ، فارسی ، ہندی اور دیگر یورپی زبانوں کے خطوں سے تقابل کرکے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دیگر زبانوں کے حروف محدود ہیں۔ ان میں دیگر زبانوں کی اصوات تودرکنار اپنی زبان کی بعض آوازوں کے لیے بھی حروف نہیں ہیں۔ ایک حرف کئی آوازوں کے لیے مقرر ہے اور کبھی ایک آواز کئی حروف کی مدد سے ادا ہوتی ہے۔ رومن اور سیریلک خط کے نام اس ضمن میں پیش کیے ہیں۔

اسی طرح عربی و فارسی زبانوں کے حروف کی تعداد محدود ہے۔ ان میں دوسری زبانوں کی کئی اہم اصوات ادا کرنے کی صلاحیت موجود نہیں۔ ناگری خط میں بھی تقریباً اس قسم کی صورتحال ہے۔ اس میں عربی و فارسی زبانوں کے کئی اصوات کے لیے حروف موجود نہیں ہیں۔ چونکہ عربی فارسی کے بیشمار الفاظ ہندی میں بھی رائج ہیں لہذا اب انہیں لکھنے کے لیے ہندی والوں نے بعض حروف کے ساتھ نقطوں کا اضافہ کرکے نئے حروف وضع کر لیے ہیں۔ پروفیسر صاحب کے مطابق انہوں نے یہ طریقہ بھی اردو سے مستعار لیا ہے۔[۲] مخلوط، ہائیہ آوازوں یا مہاپرانوں جو کہ مقامی آوازیں ہیں، کے لیے بھی ہندی میں دس مفرد حروف ہیں۔ باقی مہاپران ہندی میں تحریر نہیں ہوسکتے۔'ان آوازوں کے لیے ہندی میں مرکب حروف لکھتے ہیں اور اردو کا طریقہ استعمال کرتے ہیں۔ بہر کیف اس طرح اردو کی برتری ظاہر ہوگئی۔'[۳] اردو لسانیات کے ہر شعبے کی اصطلاحات کے ضمن میں عام طور پر ایک رنگا رنگی کی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث، ڈاکٹر شوکت سبزواری، پروفیسر خلیل صدیقی وغیرہ نے جن اصوات کو ہائیہ مصمتے کہا، ڈاکٹر سہیل بخاری نے مہاپران کے نام سے پکارا، اب پروفیسر سلیم انہیں مخلوط قرار دے رہے ہیں۔ جدید اردو صوتیات میں بیشتر ماہرین ان اصوات کے مفرد ہونے پر متفق ہیں نیز ان کے لیے وضع کیے گئے حروف بھی ان کے مطابق مفرد ہیں۔ لیکن پروفیسر سلیم ان اصوات اور ان کی تحریری علامات کو مرکب قرار دے رہے ہیں۔ اور اسی بنا پر اردو خط کو ناگری پر فوقیت دے رہے ہیں۔

اردو اور ہندی خطوں کے اس تقابل میں جن دیگر نکات کا تقابل کرکے اردو خط کی فوقیت ثابت کی گئی ہے۔ ان میں سے بیشتر میں انہوں نے ان خطوں کی حقیقی تصویر پیش نہیں کی۔ مثلاً ایک زمرے میں ان کے الفاظ ہیں۔'ہندی خط میں ایک آواز کے لیے ایک سے زائد شکلیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً 'ر' کی چار شکلیں ملتی ہیں۔'ش' کے لیے دو شکلیں ملتی ہیں۔'ا' کے لیے دو شکلیں ملتی ہیں۔'[۴] یہاں اردو حروف کی بدلتی شکلوں کا ذکر کرنا بھی لازمی تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ہندی کی نسبت اردو خط میں ایسے حروف کی تعداد زیادہ ہے، جن کی ایک سے زیادہ شکلیں ہیں۔ اردو خط کے نقاد اردو حروف کی ایک سے زیادہ اشکال پر ہمیشہ سوال اٹھاتے رہے ہیں۔ وہ اسے اس خط کی ایک بڑی خامی اور اس کے ابلاغ کی راہ میں رکاوٹ قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح پروفیسر سلیم اردو حروف کی زیادہ تعداد کو بھی اس کی خوبی شمار کرتے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب سے اس تعداد پر بھی تنقید کی جاتی ہے۔ نقادوں کے مطابق

ان میں سے بیشتر ہم صوت مصمتوں کو ایک ہی حرف سے تحریر کیا جانا چاہیے۔ تاکہ حروف کی تعداد کم کی جاسکے۔

اردو خط کی جامعیت ثابت کرنے کے لیے رومن اور اردو خط کا تقابل بھی کیا گیا ہے۔ اس بحث کا آغاز کرتے ہوئے وہ انگریز حکومت کو بھی آڑے ہاتھوں لیتے ہیں جنہوں نے اپنے مقبوضات میں انگریزی زبان کو فروغ دیا۔ ان کے الفاظ ہیں۔

> جب سے مختلف ملکوں میں انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی ، انگریزی زبان کا دائرہ بھی وسیع ہوگیا۔ انگریزی خط یعنی رومن رسم الخط نے دنیا کے بہت سے ملکوں میں غلبہ حاصل کرلیا۔ آزادی سے قبل بھی اور آزادی کے بعد اب تک بعض مرعوب ذہنیت کے لوگ وقتاً فوقتاً مشورہ دیتے رہتے ہیں کہ اردو زبان کا عربی خط ترک کر دیا جائے۔ اس لیے ضروری ہو گیا ہے کہ رومن رسم الخط کا ذرا دقتِ نظر سے مطالعہ کیا جائے۔[۵]

یہاں پروفیسر سید محمد سلیم عربوں اور ایرانیوں کا ذکر کرنا بھول گئے جنہوں نے اپنے مقبوضات میں بھی تقریباً اسی طرح کا کام کیا تھا۔ اردو خط کو بھی انہیں اقوام کی توسیع پسندی کا ایک تسلسل کہ سکتے ہیں۔ زیادہ بہتر ہوتا کہ پروفیسر سلیم خالص علمی و لسانی زاویوں سے اردو خط کا دیگر رسم الخط سے تقابل کرتے۔ رومن خط کی کمزوریوں پر انہوں نے تفصیل سے نظر کی ہے۔ اس خط کے بارے میں بارے میں ان کی جانب سے نشان زد کیے گئے بیشتر نکات درست ہیں۔ ایک ترقی یافتہ زبان اور اس کے خط کی خامیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 'رومن حروف تہجی بہت ناقص ہیں۔ بہت سی معروف آوازوں سے اس کا دامن تہی ہے۔ مخصوص عربی اصوات تو کجا معروف آریائی آوازیں بھی رومن خط میں موجود نہیں۔'[۶] بیشتر حروف صحیح یعنی مصمتوں کے لیے بھی اس خط میں مخصوص حرف متعین نہیں ۔ ایک مصمتہ کئی حروف سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس خط میں ایسے حرف ہیں جو کئی مصمتوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مصمتوں کی حرکات کو ظاہر کرنے کے بھی کئی طریقے ہیں۔ جیسے فتحہ کو چار حروف سے ظاہر کرتے ہیں۔ کسرہ کے لیے بھی چار اور ضمہ کے لیے تین حروف مختص ہیں۔ اسی طرح دیگر مصوتوں کو ظاہر کرنے کے لیے بھی ایک سے زیادہ حروف مقرر ہیں۔ اس کے مقابلے میں اردو خط

مختصر نویسی ، خوبصورتی اور رکن ترکیبی جیسی خصوصیات سے مزین ہے۔ یہاں انہوں نے بعض مغربی دانشوروں کا حوالہ بھی دیا ہے جنھوں نے رومن خط کی نقد اور عربی خط کی مدح سرائی کی ہے۔اردو خط پر کیے جانے والے بعض اعتراضات کا بھی پروفیسر سلیم نے ذکر کیا ہے اور بالترتیب ان کے جواب بھی دیے ہیں۔پہلا اعتراض ان کے مطابق اردو خط پر اس کے حروف کی زیادہ تعداد کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔اس کے جواب میں انہوں نے چند معروف رسم الخط کے حروف کی تعداد بتائی ہے۔یہاں انہوں نے اردو کے آگے حروف کی تعداد ۳۹ درج کی ہے۔(۷) اردو کے اصوات اور حروف تہجی کے کے ضمن میں ماہرین لسان کسی ایک تعداد پر تو متفق نہیں البتہ سب نے ان کو پچاس سے اوپر ہی شمار کیا ہے۔پروفیسر سلیم نے اس تعداد کے ضمن میں کوئی وضاحت بھی پیش نہیں کی ہے۔اسی طرح ہم صوت حروف کی موجودگی کا دفاع کا کرتے ہوئے سید صاحب لکھتے ہیں۔

> اردو زبان میں ایک تہائی سے زیادہ الفاظ عربی اور فارسی زبانوں سے درآمد کیے گئے ہیں۔علمی اور معیاری زبان میں عربی اور فارسی زبانوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔اتنے اہم جزو کو نظر انداز کرنے سے اردو ایک بولی تو رہ سکتی ہے لیکن علمی زبان ہرگز نہیں بن سکتی۔اردو میں عربی فارسی الفاظ کی موجودگی ایک ناگریز ضرورت ہے۔(۸)

آگے چل کر وہ یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ لفظ پر نظر پڑتے ہی اس کے مفہوم سے آگاہ ہونا بھی اردو خط کی ایک خوبی ہے۔یعنی اگر پڑھنے والا کسی طرح یہ جانتا ہو کہ دخیل لفظ اصلاً عربی زبان کا ہے تو وہ لا محالہ اس کا مطلب بھی سمجھ جائے گا۔یہ کام پہلے بھی مشکل تھا اورموجودہ صورت حال میں جبکہ ویسے ہی اردومیں عربی فارسی کی جگہ انگریزی الفاظ داخل ہورہے ہیں ، مشکل تر ہوگیا ہے۔پروفیسر سید محمد سلیم کی جانب سے اس ضمن میں پیش کردہ دوسری دلیل قدرے بہتر اور لسانیاتی ہے۔ یہاں انہوں نے یہ صورت پیش کی ہے کہ اگر ہم صوت آوازوں کے لیے اک حرف مقرر کیا جائے تو اس کے نتیجے میں الفاظ کا مفہوم دھندلا اور ابلاغ پیچیدہ ہوجائے گا۔البتہ انہوں نے اس جانب اشارہ نہیں کیا کہ اس کے بعد اردو کے قدیم علمی و ادبی سرمائے کی پڑھت بھی مزید مشکل ہوجائے گی۔اس کو نئے املا کے مطابق ڈھالنا ایک بڑا اور کٹھن منصوبہ ثابت ہوسکتا ہے۔

اردو حروف کی بدلتی شکلوں کا دفاع کرتے ہوئے بھی انہوں نے جذباتی طریقہ اپنایا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے اور بیشتر ماہرین لسان جیسے ڈاکٹر سہیل بخاری نے اردو حروف کی بدلتی صورتوں کو اس کی خامیوں میں شمار کیا ہے۔ حروف کی مختلف اشکال سے یقینا نئے سیکھنے والے جلد مانوس نہیں ہوتے۔ پروفیسر سلیم کا اس ضمن میں استدلال ہے کہ ' لفظ کا لکھنا سہل ہو گیا۔ لکھنے میں وقت کم صرف ہوتا ہے اور جگہ بھی کم درکار ہوتی ہے۔ مرکب لفظ ایک اکائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ لفظ حروف کی گٹھری نظر نہیں آتا۔ ایک لفظ کو مختلف طریقوں سے خوشنما بنا کر لکھا جاسکتا ہے۔ اردو خط کے یہ تمام اوصاف قابل تعریف ہیں۔'[۹]

اگلے صفحات پر پرنٹنگ پریس کے ارتقائی سفر کا عمومی اور اردو پریس کا خصوصی جائزہ لیا گیا ہے۔ عالم اسلام میں خطاطی اور خوشنویسی کی اہمیت اور مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے وہ اس بات کو قابل فہم قرار دیتے ہیں کہ یہاں مشینی طباعت کی جانب توجہ نہیں گئی۔ جبکہ اس کے برعکس مغرب میں مشین کی طباعت نے بے حد ترقی کی۔[۱۰] خطاطی اور خوشنویسی کی روایت مغرب میں بھی تھی اور تاحال جاری ہے۔ مشینی طباعت کا اس سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ البتہ اس کے کم و کیف پر فرق ضرور پڑا ہے، نیز خطاطی کا پیشہ اس سے متاثر ہوا ہے۔ لیکن دوسری جانب کتابوں کی طباعت میں جو تیزی و ترقی پریس کی وجہ سے آئی، اس کا بدل خطاطی سے کسی طور ممکن نہیں۔ خطاطی آج بھی بطور فن قائم و دائم ہے اور اچھے خوشنویسوں کی قدر آج بھی باقی ہے۔' بتدریج مسلمانوں نے بھی مشینی طباعت کی اہمیت کو سمجھا اور بالآخر انہیں بھی مشینی طباعت کو قبول کرنا پڑا۔'[۱۱]

ہندوستان میں مشینی طباعت کا آغاز سولھویں صدی عیسوی میں پرتگالیوں کے ذریعے ہوا۔ پرتگالیوں نے سب سے پہلے گور میں مطبع قائم کیا۔[۱۲] انگریزوں نے پہلا مطبع بمبئی میں ۱۶۴۷ء میں قائم کیا۔[۱۳] اسی طرح مقامی زبانوں کا مطبع سری رام پور میں ولیم کیری نے ۱۷۸۰ء میں قائم کیا۔[۱۴] اردو طباعت کے آغاز سے پہلے فارسی زبان کی طباعت شروع ہوئی۔ بنگال گزٹ میں مورخہ ۴ مارچ ۱۷۸۴ء کو پہلا فارسی کالم شائع ہوا۔ فارسی طباعت کا یہ اولین نمونہ تھا۔[۱۵] اس کے بعد دہلی، شاہجہاں آباد وغیرہ سے فارسی اخبارات و کتب شائع ہوئیں۔ اردو طباعت کا باقاعدہ آغاز فورٹ ولیم کالج کے تحت ڈاکٹر گلگرسٹ کی زیر سرپرستی شروع ہوا۔ 'ہندوستانی پریس' کے نام سے قائم اس مطبع سے ۱۸۰۲ء کو

اردو نثر کی پہلی کتاب 'باغ وبہار' طبع ہوئی۔[۱۶] اس کے بعد سرکاری و نجی سطحوں پر اردو پرنٹنگ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ تعارفی نوعیت کے اس مضمون میں پریس کے ارتقائی سفر کا عمومی اور اردو پریس کے سفر کا خصوصی طور پر تاریخ وار مطالعہ کیا گیا ہے۔

نویں باب میں پروفیسر سلیم نے چند تجاویز پیش کی ہیں۔ یقینا یہ تجاویز اردو خط کی بہتری کے لیے ہیں۔ حالانکہ وہ اس خط کو اکمل اور جامع قرار دے چکے ہیں۔ بیشتر ماہرین کی جانب سے اردو خط کے سلسلے میں اسی قبیل کی تجاویز سامنے آچکی ہیں۔ پروفیسر سلیم اردو خط کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اس کی خامیوں کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ تاہم اس معاملے میں بے حد محتاط دکھائی دیتے ہیں۔

بلاشبہ اردو خط موزوں بھی ہے اور جامع بھی، دوسرے رسم الخطوں کے مقابلے میں برتر بھی ہے۔ تاہم اہلِ نظر سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس خط کے بعض گوشے ابھی تک اصلاح طلب ہیں۔ مگر یہاں ایک بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ کسی نقص یا خامی کی اصلاح ہوتی ہے، مرعوبانہ ذہنیت کے ساتھ دوسروں کے طور اور طریقوں کو بلا ضرورت داخل کرنے کا نام اصلاح نہیں ہے۔[۱۷]

اردو تحریر میں سادہ مصوتوں کی آوازوں کو تین علامات کی مدد سے ظاہر کیاجاتا ہے۔ طویل مصوتوں کے لیے بھی حروف مقرر ہیں۔ خط کی طرح یہ علامات بھی عربی سے اردو میں آئی ہیں۔ عربی میں انہیں اعراب کہتے ہیں، جو اسی نام سے اردو میں بھی رائج ہیں۔ رسم الخط کے حوالے سے کی جانے والی ہر بحث میں اعراب پر بھی گفتگو کی جاتی ہے۔ بیشتر اردو تحریریں چونکہ اعراب سے مزین نہیں ہوتی ہیں،اس لیے یہ مسئلہ پیش آتا ہے اور شدید نوعیت اختیار کرلیتا ہے۔ پروفیسر سلیم نے اردو اعراب کی بہتری کے لیے کی جانے والی کوششوں کا سرسری ذکر کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ اصلاح کی گنجائش باقی ہے۔ مسئلہ ابھی تک خاطر خواہ طور پر حل نہیں ہواہے۔[۱۸] ان کے مطابق اعراب ہی دراصل اردو املا کی مشکلات کا ذمہ دار ہیں۔ عربی میں مصوتوں کے لیے تین علامات اور تین حروف مقرر ہیں۔ اردو میں پروفیسر سلیم کے مطابق اعراب کی بارہ شکلیں موجود ہیں۔ یعنی چھے مصوتے ایسے ہیں جنہیں ظاہر کرنے کے لیے اردو میں کوئی علامت نہیں ہے۔ آگے انہوں نے لکھا ہے کہ ' اردو کی زائد شکلوں کو بھی انہی شکلوں کی مدد سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں ایک حرف اعرابی ایک

سے زائد اعرابی صورتوں کو ظاہر کرتا ہے۔اس وجہ سے پڑھنے والوں کو الجھنیں پیش آتی ہیں۔یہاں سے مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔'[۱۹]

اردو کے طویل مصوتوں کو حروف اور اعراب کی مدد سے ظاہر کیا جاتا ہے۔چونکہ یہ حروف بنیادی طور پر مصمتے بھی ہیں اور اس حیثیت سے اپنا الگ وجود بھی رکھتے ہیں۔اس کے علاوہ اس پیچیدگی کی ایک بڑی وجہ بنیادی اعراب کا استعمال نہ کرنا ہے۔پروفیسر سلیم نے عربی زبان کے اعرابی نظام کا تفصیلی جائزہ لے کر اردو مصوتوں کے لیے اعراب تجویز کیے ہیں۔ تقریباً ایسا ہی کام ڈاکٹر سہیل بخاری کے علاوہ دیگر ماہرین بھی کر چکے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ کسی مقتدر ادارے یا انجمن کے تحت ان میں سے مناسب ترین کا انتخاب کیا جائے یا مختلف شقوں پر اتفاق رائے پیدا کر کے اردو تحریر کے لیے معیارات مقرر کیے جائیں۔ نیز سرکاری سطح پر اس کے فروغ کے لیے کوششیں کی جائیں۔ تاکہ اس حوالے سے ہم آہنگی پیدا ہو سکیں۔

سید قدرت نقوی نے 'اردو رسم الخط ' کے عنوان سے اپنے ایک مقالے میں اردو خط کا جائزہ لیا ہے۔ان کا مذکورہ مضمون پہلے 'ماہ نو' (کراچی) کے مئی ۱۹۶۲ء کے شمارے میں چھپا تھا۔یہی مضمون ان کی مرتبہ کتاب 'لسانی مقالات (حصہ اول) ' میں بھی شامل ہے۔اس کے علاوہ اردو رسم الخط کے حوالے سے مرتبہ دیگر اہم کتب کا بھی حصہ ہے۔ابتداء سے جنگ آزادی تک اردو رسم الخط کے ارتقاء کا عمومی اور پھر جنگ آزادی سے تقسیم ہندوستان تک کے دور پر خصوصی نظر کی گئی ہے۔جنگ آزادی کے بعد ہندوستان میں انگریزوں اور ہندوئوں کی جانب سے اردو زبان اور رسم الخط کے خلاف اٹھنے والے عناصر کا ذکر کیا گیاہے۔ہندوستان کی آزادی کے لیے شروع ہونے والی سیاسی جدوجہد کے دوران ہنود و مسلمانوں کے درمیان جن نکات پر اتفاق نہیں ہو سکا ان میں سے ایک زبان اور رسم الخط کا بھی تھا۔اردو خط کی قدیم تاریخ بیان کرتے ہوئے انہوں نے اس کا سلسلہ قدیم مصری تصویری خط سے جوڑ دیا ہے۔اس کے بعد یہ بیان بھی ملتا ہے کہ 'اس خط کے ساتھ ہمارے تعلقات تیرہ سو سال سے قائم ہیں۔' [۲۰] پروفیسر سید محمد سلیم ، ڈاکٹر سہیل بخاری سمیت دیگر اہم ماہرین کے مطابق عربی خط دراصل آرامی یا مصری کی بجائے نبطی خط کی ارتقائی شکل تھی۔عربوں نے نبطی خط میں ترمیم و اضافہ کرکے اپنا خط وضع کیا تھا۔[۲۱] عربی خط سے تیرہ سو سالہ رشتے پر بھی سوال کیا جاسکتا ہے۔کیونکہ عیاں ہے کہ

ہندوستان میں اردو والوں نے مغلیہ عہد میں اپنی زبان کے لیے اس خط کو اختیار کیا۔یوں اس خط سے اردو کا رشتہ اتنا قدیم نہیں جتنا نقوی صاحب نے بیان کیا ہے۔سید قدرت نقوی نے اردو رسم الخط پر مضمون لکھنے کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے قدیم اردو ہندی تنازعہ کے علاوہ اس کی ایک نئی وجہ بھی بیان کی ہے۔

۱۹۴۷ء کے بعد اب چند سال سے مخالفت کی آواز پھر بلند ہورہی ہے۔بالمقابل دیوناگری رسم الخط نہیں ہے بلکہ رومن رسم الخط ہے۔اس مسئلہ پر بہت سے حضرات نے قلم اٹھایا ہے اور اپنا اپنا حق خوب ادا کیا ہے۔تہذیبی ، ثقافتی، مذہبی، قومی اور معاشرتی حیثیت سے بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔۔۔۔ اگرچہ مجھے رومن رسم الخط کے حامیوں سے قطعاً اتفاق نہیں ہے، میں خود نسخ اور اس سے زیادہ نستعلیق کا دلدادہ ہوں۔رومن اور اردو رسم الخطوط کے حامیان ایک دوسرے کو جذباتی کہ رہے ہیں لیکن ذرا بنظر غائر لسانی ضروریات کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی۔اردو والے تو اس لیے مطمئن ہیں کہ ان کے خیال میں یہ رسم الخط مکمل ہے۔حالانکہ فی الحقیقت یہ رسم الخط بھی تہذیب و ترمیم کا محتاج ہے۔[۲۲]

نقوی صاحب کے اس قول سے یہ ظاہر ہورہا ہے کہ اب اردو خط کے مقابلے میں ناگری کی بجائے رومن خط ہے۔انہوں نے برملا اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کرتے ہوئے اردو خط کو بھی قابل اصلاح قرار دیا ہے۔اس رویئے کو بجا طور پر لسانی و علمی قرار دیا جاسکتا ہے۔ان کے مطابق ایک مکمل رسم الخط کی پہلی خوبی یہ ہے کہ اس کے حروف زبان کی اصوات کو بہتر طور پر پیش کریں۔اس کے علاوہ بھی انہوں نے بالترتیب رسم الخط کی خوبیوں کو شمار کیا ہے۔مثلاً ہر مفرد آواز کے لیے ایک مفرد حرف مقرر ہو۔حروف اصوات کی صحیح نمائندگی کرتے ہوں۔کم سے کم حروف تہجی ہوں۔جو کچھ لکھ جائے وہی پڑھا جائے۔وغیرہ[۲۳] ان خصوصیات کی موجودگی یقیناکسی رسم الخط کو معیاری اور عمدہ بناسکتی ہے۔ اردو زبان کے لیے عربی خط کو کیوں اور کیسے اختیار کیا گیا جیسے سوال ہنوز تشنہ جواب ہیں۔نقوی صاحب نے قیاس کیا ہے کہ بزرگوں نے اس زبان کو تحریر کرنے کرنے کے متعلق غور کیا ہوگاتو اس وقت ان کے سامنے دو رسم الخط تھے۔ایک عربی الاصل فارسی رسم الخط اور دوسرے دیوناگری۔[۲۴] بعض عربی فارسی اصوات کے لیے ناگری خط میں حروف موجود نہیں تھے۔اسی طرح کچھ ہندی آوازیں ایسی تھیں

جن کے لیے عربی فارسی خط میں حروف نہیں تھے۔ ان کا خیال ہے کہ بزرگوں نے ان زبانوں کی اصوات کا موازنہ کرکے اصوات کی زیادہ نمائندگی کرنے والا خط اختیار کر لیااور کم نمائندگی والے کو نظر انداز کرکے فارسی رسم الخط کو ترجیح دی گئی۔ فارسی خط میں مقامی بھاری آوازوں کے لیے 'علامت کرختگی' یعنی 'ط' بڑھا کر حروف وضع کیے اور مہاپرانوں کو ظاہر کرنے کے لیے 'ھ' کا اضافہ کیا گیا۔[۲۵]

سید قدرت نقوی صاحب کا اندازہ درست بھی ہوسکتا ہے البتہ معاملات ممکن ہے اس کے برعکس طے پائے ہوں۔ یعنی بغیر کسی موازنے کے فارسی خط اختیار کر لیا گیا ہو۔ کیونکہ جس طرح فارسی خط میں مقامی اصوات کے لیے حروف وضع کیے گیے یہی کام ناگری خط میں انجام پاسکتے تھے۔ اس خیال کو اس لیے بھی تقویت ملتی ہے کہ موجودہ ناگری خط میں بیشتر عربی فارسی اصوات کے لیے حروف بنالیے گئے ہیں۔ لہٰذا اصوات کے موازنے کے بعد خط کا انتخاب کیا گیا جیسے اندازوں پر یقین کرلینا تھوڑا مشکل لگتا ہے۔ فارسی مسلمان حکمرانوں کی زبان تھی ، اس کا خط اور مسلمانوں کی مذہبی کتاب کا خط ایک تھا۔ مسلمانوں نے ہوسکتا ہے یہ کام ارادتاً کیا ہو یا پھر وقت کے ساتھ ساتھ غیر ارادی طور پر بھی انجام پاسکتا ہے۔ جیسے آج ہم نہ چاہتے ہوئے بھی غیر ارادی طور پر رومن میں اردو لکھنے پر مجبور ہیں۔

مذکورہ مضمون میں نقوی صاحب نے ایک ایک کرکے اردو رسم الخط کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ نیز اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دلائل اور مثالوں کی مدد سے دیا ہے۔ ہم صوت حروف کی موجودگی کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر حقیقت میں ان کی تعداد کم کی جائے تو الفاظ کی اصل روح ختم ہوجائے گی۔ 'حسن صوت و صورت مسخ ہوجائے گا۔ اگر 'ع' کی جگہ 'ا' استعمال کیا جائے گا تو بہت سے الفاظ ایسے ہیں کہ جن میں 'ا' استعمال کیا ہی نہیں جا سکتا۔ مثلاً شمع کی جگہ شما لکھیں گے لیکن الف سکون مطلق برداشت نہیں کرسکتا اس لیے یہ 'ع' کی آواز ساکن کو ظاہر نہ کرسکے گا اور تلفظ 'شم' رہ جائے گا۔'[۲۶] 'ع' جہاں بھی ساکن ہوگا وہاں 'الف' اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ الفاظ کے املا کی تبدیلی کے سبب تلفظ بھی تبدیل ہوگا۔ اور ایک حرف کو بدلنے سے سینکڑوں الفاظ کا املا اور تلفظ بدلنے کی ضرورت ہوگی۔ اس جیسی دیگر مثالوں کے ذریعے انہوں نے ہم صوت حروف کو کم کرنے کی تجویز کو ناقابل عمل ثابت کیا ہے۔' املا کی تبدیلی کا تجربہ ہمارے اسلاف کرچکے ہیں جس کے نمونے قدیم دکنی اردو میں پائے جاتے ہیں۔ گویا انہوں نے بھی اس نظرئے پر عمل کیا کہ جو بولو وہی لکھو، لیکن ان

کی یہ کوشش پروان نہ چڑھ سکی کیونکہ اختلاف املا کی وجہ سے ان الفاظ کو سمجھنے میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔"(۲۷)

بیشتر اردو حروف کی ایک سے زیادہ شکلیں ہیں۔ نقوی صاحب کے مطابق یہ اردو خط کی خامی نہیں بلکہ خوبی ہے۔' اس کی وجہ سے مختصر نویسی میں بآسانی مہارت حاصل ہوسکتی ہے۔ تحریر میں وقت کم لگتا ہے اور جگہ کم گھیرتا ہے۔ ذرا سی مہارت کے بعد بلفظ تقریر تک نقل کی جاسکتی ہے۔"(۲۸) بیشتر حروف ابتدائی سرے کی علامت سے بآسانی شناخت ہوجاتے ہیں اور کسی قسم کا التباس نہیں ہوتا۔ نقوی صاحب نے حروف کی بدلتی شکلوں کے ضمن میں جن امور کی نشاندہی کی ہے ان سے مکمل اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ در حقیقت حروف کی بدلتی شکلوں سے مانوس ہونا اتنا آسان نہیں جتنا ان کا خیال ہے۔ نیز ایسے حروف بھی ہیں جن کی مکمل صورت میں اور مختصر صورتوں میں کوئی تال میل نہیں پایا جاتا۔ بعض حروف کی ابتدائی ، درمیانی اور آخری شکلوں میں کوئی ربط نہیں۔ چند حروف ایسے بھی ہیں جن کی شکل اگلے یا پچھلے حروف کے ساتھ تبدیل ہوتی ہے۔ یہاں اس نکتے کی نشاندہی بھی ضروری ہے کہ عام طور پر اردو تحریروں کے لیے نستعلیق خط استعمال کیا جا تا ہے، جبکہ کچھ تحریریں نسخ میں ملتی ہیں۔ نقوی صاحب کی مذکورہ کتاب کہ جس میں یہ مضمون شامل ہے بھی خط نسخ میں ہے۔ بعض حروف ایسے ہیں کہ جن کی مختصر شکلیں نسخ اور نستعلیق میں الگ الگ ہیں۔ نئے سیکھنے والوں کے لیے یہ بھی ایک بڑی پیچیدگی ہے۔ اردو حروف تہجی پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ حروف جس طرح تحریر ہوتے ہیں پڑھے نہیں جاتے۔ سید صاحب کے مطابق:

> در حقیقت یہ اعتراض رسم الخط کے مکمل ہونے پر نہیں ہے۔ بلکہ یہ کوتاہی تو لکھنے والوں کی ہے۔ اگر لکھنے میں سستی سے کام نہ لیا جائے اور حرکات کے استعمال پر زور دیا جائے اور چند حروف کی تحریر میں ذرا سی تبدیلی کرلی جائے تو یہ اعتراض بے بنیاد قرار پائے گا۔ اس اعتراض کو وجہ اور سبب قرار دے کر سارے رسم الخط کی تبدیلی پر زور دینا اس لیے مناسب نہیں کہ کیا مخالفت کرنے والوں نے تجربہ کیا ہے کہ یہ خامی کیسے دور ہوسکتی ہے؟(۲۹)

اس نکتے پر نقوی صاحب سے مکمل اتفاق کیا جاسکتا ہے۔کیونکہ رومن یا دیگر خطوں کے مقابلے میں اردو کا خط اس معاملے میں کافی حد تک صاف ہے۔ بیشتر موقعوں پر صرف حرکات کی نشاندہی کردی جائے تو یہ مسئلہ بڑی حد تک دور ہوسکتا ہے۔نقوی صاحب نے اس حوالے سے چند تجاویز بھی پیش کی ہیں جو یقینا اس حوالے سے ان کے مشاہدات کا نچوڑ ہیں۔یہ تجاویز قابل عمل ہیں اگر ان پر عمل درآمد کیا جائے تو مذکورہ خامی پر قابو پایا جانا ممکن ہے۔ان میں سے بیشتر نکات کی جانب دیگر ماہرین بھی اشارہ کرچکے ہیں۔ابتدائی حروف کی حرکت کو لازمی ظاہر کیا جانا چاہیے۔لفظ کے ہجائی حصے کے ابتدائی حرف پر بھی حرکت ظاہر کی جائے۔مکسور حروف کی شکل کے شوشے اور نقاط صحیح جگہ لگائے جائیں۔متشدد حرف پر تشدید لگائی جائے۔'د' اور 'و' میں اکثر التباس ہوجاتا ہے۔اس لیے ان دونوں کے سرے نمایاں اور الگ سے لکھے جائیں۔طویل مصوتوں کے لیے بھی علامات مخصوص کیے جائیں۔نقوی صاحب نے اس ضمن میں چند اعراب پیش کیے ہیں۔نون غنہ اگر لفظ کے درمیان میں آئے تو اس پر بھی نقطے کی بجائے کوئی علامت لگانا چاہیے۔[۳۰] اردوخط کی بہتری کے لیے اس طرح کی تجاویز پیش ہوتی رہی ہیں۔اصل مسئلہ اتفاق رائے پیدا کرنا اور اس کو رواج دینے کا ہے۔انفرادی سطح پر کیے گئے کاموں کی یکجائی ، غور وحوض اور ایک حتمی نظام وضع کرنے کے لیے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے۔

مضمون کے اگلے حصوں میں نقوی صاحب نے ناگری اور رومن خط کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ان میں بنیادی طور پر ان خطوں کے کمزور پہلوئوں کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔مضمون کے آخر میں اردو خط کو برقرار رکھنے کے حق میں دلائل پیش کیے گئے ہیں۔بیشتر دلائل عمومی نوعیت کی ہیں جن میں اس خط کے جمالیاتی پہلوئوں کا اعادہ کیا گیا ہے۔البتہ لسانی حوالے سے بھی اردو خط کی چند خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔نقوی صاحب کو اس بات پر بھی افسوس ہے کہ اردو خط کی مخالفت اپنے کررہے ہیں۔دوسری جانب بھارت اور مغرب میں لوگ اس کی حمایت میں آواز بلند کررہے ہیں۔[۳۱] اردو ، ناگری اور رومن حروف پر مشتمل ایک نقشہ بھی مضمون کے آخر میں شامل ہے۔جس میں اردو حرف کے نیچے ناگری اور رومن ہم صوت حروف دیے ہیں۔نقشے کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ بتایا جائے کہ بیشتر اردو اصوات کے لیے ناگری اور رومن میں حروف موجود نہیں ہیں۔

پاکستان میں اردو رسم الخط کی بحث دو متوازی خطوط پر رواں نظر آتی ہے۔ایک میں اردو خط کی عمومی بحث فکری و فلسفیانہ بنیادوں پر کی گئی ہے۔جبکہ دوسری قسم اس خط کے لسانیاتی مطالعوں پر مبنی ہے۔پہلی قسم کے مباحث کے پس پردہ کار فرما مقاصد میں سیاست کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔اس موضوع پر زیادہ تر کام مضامین کی صورت میں نظر آتا ہے، البتہ بیشتر تحریریں اب کتابی صورت میں یکجا مل جاتی ہیں۔رسم الخط کی لسانیاتی بحث کا بھی زیادہ حصہ مضامین کی شکل میں موجود ہے۔ان میں سے بھی اہم مضامین کے مجموعے مرتب ہوچکے ہیں۔البتہ ایک قابل قدر حصہ رسائل و جرائد میں بکھرا ہوا ہے۔لسانی مطالعات میں بعض ماہرین کی جانب سے انفرادی منصوبے بھی منظر عام پر آئے، جن کا جائزہ سطور بالا میں لیا جاچکا ہے۔

بعض مرتبہ مجموعوں میں ہر دو اقسام کے مضامین شامل ہیں۔یعنی عمومی و فکری بحث کے ساتھ ساتھ رسم الخط کے حوالے سے سامنے آنے والے لسانیاتی مضامین بھی ان کا حصہ ہیں۔ایک ایسا ہی مجموعہ' اردو املا و قواعد، مسائل و مباحث' کے عنوان سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے مرتب کیا ہے۔اردو رسم الخط کے ضمن میں اس کتاب میں پاکستان و ہندوستان کے ماہرین لسان کے مضامین شامل ہیں۔ڈاکٹر شوکت سبزواری کے مضمون میں اردو کے اعرابی نظام اور اردو مصوتوں کی صفات کا جدید صوتیات کی روشنی میں تجزیہ کیا گیا ہے۔ڈاکٹر سبزواری کے مطابق' اردواملا وسیع تر طرز تحریر ہے کہ اس میں ایک آواز کے لیے صرف ایک حرف اور ایک حرف کی صرف ایک آواز ہے۔(۳۲) اردو کی ہر بنیادی صوت کے لیے تحریر میں ایک مخصوص حرف موجود ہے تحریر کرنے کے بعد ڈاکٹر سبزواری یہ بھی فرماتے ہیں کہ ضمنی یا فرعی آوازوں کو بھی جو کسی ایک بنیادی آواز کے تحت آتی ہیں جدا جدا حرفوں کی جگہ تنہا ایک حرف سے ، جو بنیادی آواز کے لیے مخصوص ہے ، ادا کی جاتی ہیں۔(۳۳) اس تفصیل سے ان کے پہلے بیان کی صحت کمزور ہو جاتی ہے۔مثالوں کے ذریعے انھوں نے ایسے الفاظ پیش کیے ہیں جن میں سادہ مصوتوں کی مختلف شکلیں استعمال ہوئی ہیں البتہ اس ضمنی صوتی اختلاف کو ظاہر کرنے کے لیے الگ سے حروف یا علامات موجود نہیں۔ڈاکٹر سبزواری کی رائے اس ضمن میں یوں ہے۔

بظاہر اسے اردو املا کی خامی اور کوتاہی کہا جائے گا کہ زیر، زبر اور پیش اور ان کی خفیف ضمنی آوازوں کو ایک ہی علامات و اشکال سے ظاہر کیا جائے۔لیکن درحقیقت یہ اردو املا کی سہولت اور

افادیت کی دلیل ہے۔اگر ضمنی آوازوں کے لیے بھی علامات رکھی جائیں تو اردو کا ابجدی نظام الجھ کر رہ جاتا اور قاری کے لیے اس کا یاد رکھنا دوبھر ہو جاتا۔(۳۴)

اس مشکل کا حل انھوں نے ڈاکٹر جونز کے حوالے سے یہ تجویز کیا ہے کہ چونکہ ہر ایسی آواز کے لیے خاص علامت مختص کرنا ممکن نہیں ہے۔اس لیے قاری کو قاعدہ بتا دیا جائے جس کی مدد سے وہ حسب ضرورت بنیادی اور ضمنی آوازوں میں فرق کر سکیں۔(۳۵) یہاں یہ سوال بدستور موجود ہے کہ اس طرح کے کتنے قاعدے بتائے جائیں نیز اس صورت میں کیا کیا جائے اگر ان قاعدوں پر ماہرین کے مابین بھی اختلاف موجود ہو۔اس مطالعے میں آگے چل کر ایسی فارسی ترکیبات کا ذکر ہے جن میں کسرے کی جگہ 'ے' لاتے ہیں۔ڈاکٹر سبزواری کے مطابق ان ترکیبات میں 'ے' پر ہمزہ بے محل ہے۔(۳۶) کیونکہ یہاں 'ے' کسرۂ اضافت کے قائم مقام ہے اور کسرے کی آواز کو ظاہر کرتی ہے۔ڈاکٹر سبزواری کے اس مضمون کا بیشتر حصہ اردو میں مستعمل عربی و فارسی ترکیبات میں ہمزہ، یائے مجہول اور کسرہ کے استعمال پر مبنی ہے۔ان میں سے اکثر امور پاکستان و بھارت میں سفارشات املا کمیٹیوں کے پیش نظر رہیں اور متفقہ املا کی صورتیں پیش کی گئی ہیں۔

اردو رسم الخط کے اس جائزے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اردو رسم الخط کی تحقیق کا جھکاو اب جدید لسانیاتی رویوں کی جانب مبذول ہو چکا ہے اور اس کی نوعیت بھی پہلے کی نسبت سنجیدہ، علمی اور لسانی ہے۔قیام پاکستان سے قبل جس جذبے اور شدت سے اس کا دفاع کیا گیا تھا، ایک مدت تک کوشش کی جاتی رہی کہ فقط جذباتیت کے سہارے اس خط کی حفاظت کی جائے۔البتہ اب اس رویے میں واضح تبدیلی نظر آتی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نوع کی تحقیقات جاری رکھی جائیں تاکہ جدید لسانیاتی مطالعات کی روشنی میں تجزیہ کرنے سے اُردو خط کے ضمن میں پائی جانے والی بے یقینی اور شکوک و شبہات کا خاتمہ ہو سکیں۔

حوالہ جات

۱۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، مقتدرہ قومی زبان، کراچی، ۱۹۸۱ئ، ص ۵۹

۲۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۶۲

۳۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۶۲

۴۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۶۳
۵۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۶۳
۶۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۶۳
۷۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۷۱
۸۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۷۲
۹۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۷۴
۱۰۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۷۵
۱۱۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۷۵
۱۲۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۷۹
۱۳۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۷۹
۱۴۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۸۰
۱۵۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۸۰
۱۶۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۸۰
۱۷۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۸۳
۱۸۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص۸۴
۱۹۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، ایضاً، ص ۸۴
۲۰۔ قدرت نقوی، سید(مرتب)، لسانی مقالات، حصہ اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص ۱۷۹
۲۱۔ سید محمد سلیم، پروفیسر، اردو رسم الخط، مقتدرہ قومی زبان، کراچی، ۱۹۸۱ئ، ص۶۶
(پروفیسر سلیم صاحب نے پہلے اپنے متن میں عربی خط کو حمیری خط سے ماخوذ کہا ہے۔البتہ کتاب کے آخر میں استدراک کے عنوان سے انہوں نے ایک صحت نامہ بھی شامل کیا ہے جس میں انہوں نے اس حوالے سے اپنی غلط فہمی اور نئی تحقیقات کاحوالہ دے کر کہا ہے دور نبوی ﷺ میں مرتبہ قرآن مجید کے نسخے بھی نبطی خط میں تھے)

۲۲۔ قدرت نقوی، سید(مرتب)، لسانی مقالات، حصہ اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء ص ۱۷۸

۲۳۔ قدرت نقوی، سید(مرتب)، لسانی مقالات، حصہ اول،ایضاً، ص ۱۷۸

۲۴۔ قدرت نقوی، سید(مرتب)، لسانی مقالات، حصہ اول،ایضاً، ص ۱۷۹

۲۵۔ قدرت نقوی، سید(مرتب)، لسانی مقالات، حصہ اول،ایضاً، ص ۱۷۹

۲۶۔ قدرت نقوی، سید(مرتب)، لسانی مقالات، حصہ اول،ایضاً، ص ۱۸۱

۲۷۔ قدرت نقوی، سید(مرتب)، لسانی مقالات، حصہ اول،ایضاً، ص ۱۸۲

۲۸۔ قدرت نقوی، سید(مرتب)، لسانی مقالات، حصہ اول،ایضاً، ص ۱۸۳

۲۹۔ قدرت نقوی، سید(مرتب)، لسانی مقالات، حصہ اول،ایضاً، ص ۱۸۳

۳۰۔ قدرت نقوی، سید(مرتب)، لسانی مقالات، حصہ اول،ایضاً، ص ۱۸۴

۳۱۔ قدرت نقوی، سید(مرتب)، لسانی مقالات، حصہ اول،ایضاً، ص ۱۹۸

۳۲۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، اردو کا اعرابی نظام اور اردو مصوتوں کی صفات، مشمولہ اردو املا و قواعد(مسائل و مباحث) مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۰ئ، ص ۱۴۳

۳۳۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، اردو کا اعرابی نظام اور اردو مصوتوں کی صفات، مشمولہ ایضاً، ص ۱۴۳

۳۴۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، اردو کا اعرابی نظام اور اردو مصوتوں کی صفات، مشمولہ ایضاً، ص ۱۴۴

۳۵۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، اردو کا اعرابی نظام اور اردو مصوتوں کی صفات، مشمولہ ایضاً، ص ۱۴۴

۳۶۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، اردو کا اعرابی نظام اور اردو مصوتوں کی صفات، مشمولہ ایضاً، ص ۱۴۵